

## امام ہادی علیہ السلام کا آلام و مصائب برداشت کرنا

<"xml encoding="UTF-8?>

معتصم نے خواہ اپنی ملکی پریشانیوں کی وجہ سے جو اسے رومیوں کی جنگ اور بغداد کے دارالسلطنت میں عباسیوں کے فساد وغیرہ کی وجہ سے درپیش تھیں اور خواہ امام علی نقی علیہ السلام کی کمسنی کا خیال کرتے ہوئے بھر حال حضرت سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ سکون و اطمینان کے ساتھ مدینہ منورہ میں اپنے فرائض پورے کرنے میں مصروف رہے۔

معتصم کے بعد واثق نے بھی آپ کے خلاف کوئی اقدام نہیں اٹھایا۔ مگر متوكل کا تخت سلطنت پر بیٹھنا تھا کہ امام علی نقی علیہ السلام پر تکالیف کا سیلاب امڈ آیا۔ یہ واثق کا بھائی اور معتصم کا بیٹا تھا، اور آل رسول کی دشمنی میں اپنے تمام آباؤ اجداد سے بڑھا ہوا تھا۔

اس سولہ برس میں جب سے امام علی نقی علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوئے تھے آپ کی شہرت تمام مملکت میں پھیل چکی تھی اور تعلیمات اہل بیت علیہ السلام کے پروانے اس شمع ہدایت کے برابر چکر لگا رہے تھے۔ ابھی متوكل کی سلطنت کو چار برس ہی ہوئے تھے کہ مدینے کے حاکم عبداللہ بن حاکم نے امام علیہ السلام سے مخالفت کا آغاز کیا۔ پہلے تو خود حضرت کو مختلف طرح کی تکلیفیں پھنچائیں پھر متوكل کو آپ کے متعلق اسی طرح کی باتیں لکھیں جیسی سابق سلاطین کے پاس آپ کے بزرگوں کی نسبت ان کے دشمنوں کی طرف سے پھنچائی جاتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت علیہ السلام اپنے گردو پیش اسباب سلطنت جمع کر رہے ہیں۔ آپ کے ماننے والے اتنی تعداد میں بڑھ گئے ہیں کہ آپ جب چاہیں حکومت کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو سکتے ہیں۔

حضرت کو اس تحریر کی بروقت اطلاع ہو گئی اور آپ نے اتمام حجت کے طور پر اسی کے ساتھ متوكل کے پاس اپنی جانب سے ایک خط تحریر فرما دیا جس میں حاکم مدینہ کی اپنے ساتھ ذاتی مخالفت کا تذکرہ اور اس کی غلط بیانیوں کا اظہار فرمایا تھا۔ متوكل نے ازراہ سیاست امام علی نقی علیہ السلام کے خط کو وقعت دیتے ہوئے مدینہ کے اس حاکم کو معزول کر دیا مگر ایک فوجی رسالے کو یحیی بن ہرثمه کی قیادت میں بھیج کر حضرت علیہ السلام سے بظاہر دوستانہ انداز میں باصراریہ خواہش کی کہ آپ مدینہ سے درالسلطنت سامرا تشریف لا کر کچھ دن قیام فرمائیں اور پھر واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔

امام علیہ السلام اس التجا کی حقیقت سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے یہ نیاز مندانہ دعوت تشریف آوری حقیقت میں جلا وطنی کا حکم ہے مگر انکار سے کوئی حاصل نہ تھا۔ جب کہ انکار کے بعد اسی طلبی کے انداز کا دوسرا شکل اختیار کر لینا یقینی تھا۔ اور اس کے بعد روانگی ناگزیر تھی۔ بے شک مدینہ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونا آپ کے قلب کے لئے ویسا ہی تکلیف دہ صدمہ تھا جسے اس کے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام، امام موسی کاظم علیہ السلام، امام رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام آپ کے مقدس اور بلند مرتبہ اجداد برداشت کر چکے تھے۔ وہ اب آپ کے لئے ایک میراث بن چکا تھا۔ پھر بھی دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ مدینہ سے روانگی کے وقت آپ کے تاثرات اتنے شدید تھے جس سے احباب و اصحاب میں ایک کھرام برپا تھا۔

متوكل کا عریضہ بارگاہ امام علیہ السلام میں بڑھ اخلاص اور اشتیاق قدم بوسی کا مظہر تھا۔ جو فوجی دستے

بھیجا گیا تھا وہ بظاہر سواری کے ترک و احتشام اور امام علیہ السلام کی حفاظت کا ایک سامان تھا مگر جب حضرت علیہ السلام سامنے میں پہنچ گئے اور متوكل کو اس کی اطلاع دی گئی تو اس کا پہلا ہی افسوسناک رویہ یہ تھا کہ بجائے امام علیہ السلام کے استقبال یا کم از کم اپنے یہاں بلا کر ملاقات کرنے کے اس نے حکم دیا کہ حضرت کو «خاف الصعالیک» میں اتارا جائے اس لفظ کے معنی ہی ہیں «بھیک مانگنے والے گداگروں کی سرائے» اس سے جگہ کی نوعیت کا پورے طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ شہر سے دور ویرانے میں ایک کھنڈر تھا۔ جہاں امام علیہ السلام کو فروکش ہونے پر مجبور کیا گیا۔

اگرچہ یہ مقدس حضرات خود فقراء کے ساتھ ہم نشینی کو اپنے لئے ننگ و عار نہیں سمجھتے تھے اور تکلفات ظاہری سے کنارہ کش رہتے تھے مگر متوكل کی نیت تو اس طرز عمل سے بھر حال تحیر کے سوا اور کوئی نہیں تھی۔ تین دن تک حضرت کا قیام یہاں رہا۔ اس کے بعد متوكل نے آپ کو رزاقی کی حراست میں نظر بند کر دیا اور عوام کے لئے آپ سے ملنے جلنے کو ممنوع قرار دیا وہی بے گناہی اور حقانیت کی کشش جو امام موسی کاظم علیہ السلام کی قید کے زمانہ میں سخت سے سخت محافظین کو کچھ دن کے بعد آپ کی رعایت پر مجبور کر دیتی تھی اسی کا اثر تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد رزاقی کے دل پر امام علی نقی علیہ السلام کی عظمت کا سکھ قائم ہو گیا اور وہ آپ کو تکلیف دینے کے بجائے آرام و راحت کے سامان بھم پہنچانے لگا مگر یہ بات زیادہ عرصہ تک متوكل سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ اسے علم ہو گیا اور اس نے رزاقی کی قید سے نکل کر حضرت علیہ السلام کو ایک دوسرے شخص سعید کی حراست میں دے دیا۔

یہ شخص بے رحم اور امام علیہ السلام کے ساتھ سختی برتنے والا تھا۔ اسی لئے اس کے تبادلے کی ضرورت نہیں پڑی اور حضرت پورے بارہ برس اس کی نگرانی میں مقید رہے۔ ان تکالیف کے ساتھ جو اس قید میں تھے حضرت علیہ السلام شب و روز عبادت الہی میں بسر کرتے تھے۔ دن بھر روزہ رکھنا اور رات بھر نمازیں پڑھنا آپ کا معمول تھا۔ آپ کا جسم کتنے ہی قید و بند میں رکھا گیا ہو مگر آپ کا ذکر چار دیواری میں محصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ آپ تو ننگ و تاریک کوٹھڑی میں مقید تھے مگر آپ کا چرچہ سامنے بلکہ شاید عراق کے ہر گھر میں تھا اور اس بلند سیرت و کردار کے انسان کو قید رکھنے پر خلق خدا میں متوكل کے مظالم سے نفرت برابر پھیلتی جا رہی تھی۔

اب وہ وقت آیا کہ فتح بن خاقان آل رسول سے محبت رکھنے کے باوجود صرف اپنی قابلیت اپنے تدبیر اور اپنی دماغی و عملی صلاحیتوں کی بنا پر متوكل کا وزیر ہو گیا، تو اس کے کھنے سننے سے متوكل نے امام علی نقی علیہ السلام کی قید کو نظر بندی سے تبدیل کر دیا اور آپ کو ایک مکان دے کر مکان تعمیر کرنے اور اپنے ذاتی مکان میں سکونت کی اجازت دے دی مگر اس شرط سے کہ آپ سامنے سے باہر نہ جائیں اور سعید آپ کی نقل و حرکت اور مراسلات و تعلقات کی نگرانی کرتا رہے گا۔

اس دور میں بھی امام علیہ السلام کا استغنائے نفس دیکھنے کے قابل تھا۔ دارالسلطنت میں مستقل طور پر قیام کے باوجود نہ کبھی متوكل کے سامنے کوئی درخواست پیش کی نہ کبھی کسی قسم کے ترجم یا تکریم کی خواہش۔ کی وہی عبادت و ریاضت کی زندگی جو قید کے عالم میں تھی۔ اس نظر بندی کے دور میں بھی رہی۔ جو کچھ تبدیلی ہوئی تھی وہ ظالم کے رویہ میں تھی۔ مظلوم کی شان جیسے پہلے تھی ویسی ہی اب بھی قائم رہی۔ اس زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ امام کو بالکل آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے دی جاتی۔

مختلف طرح کی تکالیف سے آپ کے مکان کی تلاشی لی گئی کہ وہاں اسلحہ ہیں یا ایسے خطوط ہیں جن سے حکومت کی مخالفت کا ثبوت ملتا ہے حالانکہ ایسی کوئی چیز ملی نہیں مگر یہ تلاشی ہی ایک بلند اور بے گناہ

انسان کے لیے کتنی باعث تکلیف چیز ہے اس سے بڑھ کر یہ واقعہ کہ دربار شاہی میں عین اس وقت آپ کی طلبی ہوتی ہے جب کہ شراب کے دور چل رہے ہیں ۔ متوكل اور تمام حاضرین دربار طرب ونشاط میں غرق ہیں ۔ اس پر طرہ یہ کہ سرکش، بے غیرت اور جاہل بادشاہ حضرت علیہ السلام کے سامنے جامِ شراب بڑھا کر پینے کی درخواست کرتا ہے ۔

شریعت اسلام کے محافظ معموم کو اس سے جو تکلیف پہنچ سکتی ہے وہ تیر و خنجر سے یقیناً زیادہ ہے مگر حضرت نے نہایت متناثت اور صبروسکون کے ساتھ فرمایا کہ «مجھے اس سے معاف کرو، میرا میرے آباؤ اجداد کا خون اور گوشت اس سے کبھی مخلوط نہیں ہوا ہے۔

اگر متوكل کے احساسات میں کچھ بھی زندگی باقی ہوتی تو وہ اس معمومانہ مگر پر شکوہ جواب کا اثر لیتا مگر اس نے کہا کہ اچھا یہ نہیں تو کچھ گانہ ہم کو سنائیے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس فن سے بھی واقف نہیں ہوں۔ آخر اس نے کہا کہ آپ کو کچھ اشعار جس طریقے سے بھی آپ چاہیں بھر حال پڑھنا ضرور پڑھیں گے۔

کوئی جذبات کی رو میں بھئے والا انسان ہوتا تو اس خفیف الحركات بادشاہ کے اس حقارت انگیز یا تمسخر آمیز برناو سے متاثر ہو کر شاید اپنا دماغی توازن کو کھو دیتا مگر وہ کوہ حلم و وقار، امام کی ہستی تھی جو اپنے کردار کو فرائض کی مطابقت سے تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ دار تھی، منہیات کے دائیہ سے نکل کر جب فرمائش اشعار سنانے تک پہنچی تو امام علیہ السلام نے موعظہ و تبلیغ کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنے دل سے نکلی ہوئی پُر صداقت آواز سے ایسے اشعار پڑھنا شروع کئے جنہوں نے محفل طرب میں مجلس وعظ کی شکل پیدا کر دی۔

اشعار کچھ ایسے حقیقی تاثرات کے ساتھ امام علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوئے تھے کہ متوكل کے عیش ونشاط کی بساط الٹ گئی۔

شراب کے پیالے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور تمام مجمع زارو قطار رونے لگا۔ یہاں تک کہ خود متوكل دھاڑھیں مار مار کر بے اختیار رو رہا تھا۔ جوں ہی یہ گریہ و زاری اور رونا موقوف ہوا اس نے امام علیہ السلام کو رخصت کر دیا اور آپ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔

ایک اور نہایت شدید روحانی تکلیف جو امام علیہ السلام کو اس دور میں پہنچی وہ متوكل کے احکام تشدّد تھے جو نجف اور کربلا کے زائرین کے خلاف اس نے جاری کیے۔ اس نے یہ حکم تمام قلم رو حکومت میں جاری کر دیا کہ کوئی شخص جناب امیر علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے روضوں کی زیارت کو نہ جائے، جو بھی اس حکم کی مخالفت کرے گا اس کا خون حلال سمجھا جائے گا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے حکم دیا کہ نجف اور کربلا کی عمارتیں بالکل گرا کر زمین کے برابر کر دی جائیں۔ تمام مقبرے کھوڈ ڈالے جائیں اور قبر امام حسین علیہ السلام کے گرد و پیش کی تمام زمین پر کھیت بودیئے جائیں۔ یہ ناممکن تھا کہ زیارت کے امتناعی احکام پر اہل بیت رسول کے جان نثار آسانی کے ساتھ عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ میں ہزاروں بے گناہوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔ کیا اس میں شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک مقتول کا صدمہ امام علیہ السلام کے دل پر اتنا ہی ہوا تھا جتنا کسی اپنے ایک عزیز کے بے گناہ کے قتل کیے جانے کا حضرت علیہ السلام کو ہو سکتا تھا۔

پھر آپ تشدّد کے ایک ایسے ماحمول میں قید کر کے رکھے گئے تھے کہ آپ وقت کی مناسبت کے لحاظ سے ان لوگوں تک کچھ مخصوص ہدایات بھی نہیں پہنچا سکتے تھے جو ان کے لیے صحیح فرائض شرعیہ کے ذیل

میں اس وقت ضروری ہوں۔ یہ اندوہناک صورت حال ایک دوپرس نہیں بلکہ متوكل کی زندگی کے آخری وقت تک برابر قائم رہی ۔

علاوه از ایں متوكل کے دربار میں حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام بن ابی طالب علیہ السلام کی نقلیں کی جاتی تھی اور ان پر خود متوكل اور تمام اہل دربار ٹھہٹے لگاتے تھے ۔

یہ ایسا اہانت آمیز منظر تھا کہ ایک مرتبہ خود متوكل کے بیٹے سے رہا نہ گیا ۔ اس نے متوكل سے کہا کہ خیر آپ اپنی زبان سے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں کچھ الفاظ استعمال کریں مگر جب آپ اپنے کو ان کا عزیز قرار دیتے ہیں تو ان کم بختوں کی زبان سے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ایسی باتوں کو کیونکر گوارا کرتے ہیں اس پر بجائے کچھ اثر لینے کے متوكل نے اپنے بیٹے کا فحش آمیز تمسخر کیا اور دو شعر نظم کرکے گانے والوں کو دئیے جس میں خود اس کے فرزند کے لیے مادرانہ گالی موجود تھی ۔ گویے ان شعروں کو گاتے تھے اور متوكل قہقے لگاتا تھا ۔

اسی دور کا ایک واقعہ بھی کچھ کم قابل افسوس نہیں ہے ۔ ابن السکیت بغدادی علم نحو ولغت کے امام مانے جاتے تھے اور متوكل نے اپنے دو بیٹوں کی تعلیم کے لیے انہیں مقرر کیا تھا ۔ ایک دن متوكل نے ان سے پوچھا کہ تمہیں میرے ان دونوں بیٹوں سے زیادہ محبت ہے یا حسن وحسین سے ۔ ابن السکیت محبت اہل بیت علیہ السلام رکھتے تھے ۔ اس سوال کو سن کر بیتاب ہو گئے اور انہوں نے متوكل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے دھڑک کہہ دیا کہ حسن وحسین علیہما السلام کا کیا ذکر ، مجھے تو علی کے غلام قنبر کے ساتھ ان دونوں سے کہیں زیادہ محبت ہے ۔ اس جواب کا سننا تھا کہ متوكل غصے سے بیخود ہو گیا ، حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے ۔ یہی ہوا اور اس طرح یہ آل رسول کے فدائی درجہ شہادت پر فائز ہوئے ۔

ان واقعات کا براہ راست جسمانی طور پر حضرت امام علی نقی سے تونہ تھا مگر بخدا ان کی ہر ہر بات ایک تلوار کی دھار تھی جو گلے پر نہیں دل پر چلا کرتی تھی ، متوكل کا ظالماںہ رویہ ایسا تھا جس سے کوئی بھی دور یا نزدیک کا شخص اس سے خوش یامطمئن نہیں تھا ۔ حدیہ ہے کہ اس کی اولاد تک اس کی جانی دشمن ہو گئی تھی ، چنانچہ اسی کے بیٹے منتصر نے اس کے بڑے مخصوص غلام باگر رومی کو ملا کر خود متوكل ہی کی تلوار سے عین اس کی خواب گاہ میں اس کو قتل کرا دیا ۔ جس کے بعد خلائق کو اس ظالم انسان سے نجات ملی اور منتصر کی خلافت کا اعلان ہو گیا ۔

منتصر نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے متشد انه احکام کو یکلخت منسوخ کر دیا ۔ نجف اور کربلا زیارت کے لیے عام اجازت دے دی اور ان مقدس روضوں کی کسی حد تک تعمیر کرا دی ۔ امام علی نقی علیہ السلام کے ساتھ بھی اس نے کسی خاص تشدد کا مظاہرہ نہیں کیا مگر منتصر کی عمر طولانی نہیں ہوئی ۔ وہ چھ مہینوں کے بعد دنیا سے اٹھ گیا منتصر کے بعد مستعین کی طرف سے امام علیہ السلام کے خلاف کسی خاص بدسلوکی کا برتاو نظر نہیں آتا ۔

امام علیہ السلام نے چونکہ مکان بنا کر مستقل قیام اختیار فرما لیا تھا اس لیے یا تو خود آپ ہی نے مناسب نہ سمجھا یا پھر ان بادشاہوں کی طرف سے آپ کے مدینہ واپس جانے کو پسند نہیں کیا گیا ہو ۔ بھر حال جو بھی وجہ ہو آپ قیام کا سامرہ ہی میں رہا ۔ اتنے عرصے تک حکومت کی طرف سے مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے علوم اهلیت علیہ السلام کے طلب گارذرا اطمینان کے ساتھ کثیر تعداد میں آپ سے استفادہ کے لیے جمع ہوئے لگے جس کی وجہ سے مستعین کے بعد معتز کو پھر آپ سے پر خاش پیدا ہوئی اور اس نے آپ کی زندگی ہی کا خاتمہ کر دیا ۔